(غلام گردش)

بھوک

بھوک ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو مکمل طور پر تبدیل کر دیتی ہے۔غذا کی قلت یا عدم دستیابی انسان کو کھڑے کھڑے جانور میں بدل سکتی ہے۔ایک ایسا جانور جسکا کوئی ملک ،عقیدہ اور مذہب نہیں ہوتا۔یہ ایک ایسی جبلت ہے جسکے سامنے سب بشر بے بس ہیں،مکمل بے بس۔اگر لوگوں کو دو وقت کی روٹی نصیب نہ ہو،تو کوئی وعظ،تلقین یا نصیحت کام نہیں آسکتی۔ساری اچھی اور بلند اخلاقی باتیں صرف اور صرف بھرے ہوئے پیٹ سے منسلک ہیں۔تاریخ میں بہت کم ایسے واقعات دیکھے گئے ہیں جہاں انسان نے اپنی بنیادی جبلت سے انحراف کیا ہو۔

یہاں ایک ایسا طبقہ ہے جسکا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔ایک دوسرا بدقسمت طبقہ بھی ہے جو نانِ جویں کو مسلسل ترستا ہے۔یہیں سے دہشت گردی،نفرت اور پُرتشدد خیالات کا وہ طوفان اُٹھتا ہے جسے روکنا کم از کم ہمارے جیسے ملکوں کیلئے انتہائی مشکل ہے۔2016 میں ایک قد آور بین الاقوامی ادارے نے گلوبل ہنگر انڈکس(Global Hunger Index) شائع کیا ہے۔سنتالیس صفحے کی یہ رپورٹ کسی بھی حکومت،شہنشاہ،سلطان یا حکمران کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔پر مشکل ترین بات یہ ہے کہ کبھی بھی مقتدر طبقے کی وقت پر آنکھیں نہیں کھلتیں۔راگ درباری اس درجہ طاقتور ہے دنیا میں ترقی پذیر ممالک گہری نیند سوئے ہوئے ہیں بلکہ بیہوشی کے عالم میں ہیں۔برصغیر میں حالات تو صدیوں سے بدتر سے بدترین ہوتے رہے ہیں۔اگر آپ ریاستی بادشاہوں اور راجواڑوں کے حکمرانوں کے حالات پڑھیں اور تجزیہ کریں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔پاکستان میں بائیس فیصد آبادی غذائی قلت کا شکار ہے۔بائیس فیصد کا مطلب تقریباً چار سے پانچ کروڑ لوگ ہیں۔کسی افریقی ملک کا ذکر نہیں کر رہا۔ہمارے ملک میں رپورٹ کے مطابق تقریباً پانچ کروڑ لوگ رات کو بھوکے سوتے ہیں۔شائد انہیں کبھی کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوتا ہے۔جس ریاست میں کروڑوں لوگ بے بسی کی زندگی گزر رہے ہوں،وہاں بلند اخلاقی قدروں کی باتیں کرنا انتہائی نامناسب بات ہے۔

گلوبل ہنگر انڈکس میں ایک سو اٹھارہ ملکوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اس میں ایک طرف صفر کا ہندسہ ہے یعنی ایک ایسی صورتحال جس میں کوئی بھی انسان روٹی سے محروم نہ ہو۔پورے سکیل کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔صفر سے دس تک وہ خوش نصیب ممالک ہیں جہاں بھوکے لوگوں تعداد نہ ہونے کے برابر ہے یا بہت کم ہے۔دس سے بیس تک درمیانی سطح کے ممالک آجاتے ہیں۔بیس سے پنتیس تک جو ممالک موجود ہیں ان میں غذائی قلت "سنجیدہ" ہے۔پنتیس سے پچاس تک کے نمبروں میں موجود ریاستوں کی صورتحال "نازک" ہے اور پچاس سے اوپر والے بدنصیب ملک قحط میں زندگی گزار رہے ہیں۔وہاں کھانا نہ ملنے سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ مرجاتے ہیں۔پورا اسکیل صفر سے سو نمبروں تک ہے۔پاکستان ان ممالک کی فہرست میں آتا ہے جہاں غذا کی عدم دستیابی کی صورتحال سنجیدہ ہے۔ہمارا ملکی سکور 33.4 کا ہے جو کہ کسی بھی اعتبار سے خوش گوار نہیں۔بلکہ کافی حد تک شرمناک ہے مگر ہمارا شرم سے کیا تعلق۔کیا یہ المیہ نہیں کہ دنیا کی ایک ایٹمی ریاست اپنے لوگوں کو دو وقت کا کھانا تک مہیا نہیں کر سکتے۔

بھوک کے انڈکس کے بنیادی طور پر چار اہم جزو ہیں۔سب سے پہلا حصہ غذا کے کم ملنے کا ہے یعنی Undernourshiment ہے۔کسی بھی ملک میں مجموعی طور پر ان لوگوں کو شمار کیا جاتا ہے جنہیں بھرپور غذائیت مہیا نہیں ہے۔دوسرا جزو یا حصہ بچوں کے کم وزن کا ہے اسے Child Wasting کا نام دیا گیا ہے۔اس میں پانچ برس سے کم عمران بچوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے جنکے قد اور وزن میں تفریق ہو۔یعنی غذا کی قلت کی وجہ سے وہ اپنے معمول کے وزن تک نہیں پہنچ پائے۔تیسرا جزو Child Stunting کا ہے۔یعنی پانچ برس کی عمر سے کم بچے جنکے قد انکی عمر کے حساب سے کم ہیں۔جیسے پانچ سال کے ایک بچے کا جو نارمل قد ہونا چاہیے مناسب غذا نہ ہونے کی بدولت اسکا قد کم رہ گیا ہے۔چوتھا حصہ Child Mortality کا ہے۔جس میں بچے غذا کی کمیابی اور غیر صحت مندانہ ماحول کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔اپنی طبعی عمر تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔یہ وہ چراغ ہیں جو اپنی روشنی کے سائے میں مستقل اندھیروں کی نظر ہو جاتے ہیں۔دیکھا جائے تو یہ ایک طرح کا ریاستی قتل ہے۔مگر یہاں کون پرواہ کریگا۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں پانچ برس سے کم عمر کے آٹھ فیصد بچے بھوک کی وجہ سے فوت ہو جاتے ہیں۔یہ تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ذرا اس گھر کی اندرونی کیفیت دیکھیے جہاں بھوک سے کم عمر بچے اس سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔تکلیف دہ اَمر یہ ہے کہ یہ زندہ رہ سکتے تھے۔اگر ان بچوں کو مناسب غذا ملتی تو یہ آج بھی سانس لے رہے ہوتے پر نہیں یہ لاکھوں ننھے منے پھول بہار دیکھ ہی نہ پائے۔انکی موت کی ذمہ داری کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔نہ ریاست اور نہ ہی معاشرہ۔جبا و دستار سے مزین ہمارے مذہبی علماء نے بھی کبھی اسکا ذکر نہیں کیا۔ہمارے پڑھے لکھے طبقے کو بھی اس درجہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس نکتہ کو کسی سنجیدہ جگہ پر زیرِ بحث لائیں۔ہاں، تقاریر، مباحثہ اور مناظروں کا کوئی شمار و قطار نہیں۔بے مقصد اور بے معنی گفتگو سے کسی غریب بچہ کو موت کے منہ سے نہیں نکال سکتا۔

رپورٹ میں پاکستان کے متعلق چارٹ اور اعداد دیے گئے ہیں۔آبادی کا وہ حصہ جسکو مناسب غذا نہیں ملتی، اسکی عکاسی گراف کی طرز پر کی گئی ہے۔قابل شرم بات یہ ہے کہ 2000 میں یہ شرح 22.4 فیصد تھی۔2008 میں یہ شرح 22.2 ہوگئی اور 2016 میں یہ 22 فیصد ہے۔یعنی سولہ سال کے طویل عرصے میں ہم ایک فیصد آبادی کو بھی اس قلت سے نجات نہیں دلوا سکے۔یہ ایک بین الاقوامی غیر سیاسی ادارے کی مستند رپورٹ ہے۔پاکستان میں کسی نے اسے چیلنج نہیں کیا۔میرا گمان ہے کہ شائد کسی نے پڑھا ہی نہیں ہوگا۔کسی کو کیا فکر کہ سولہ سال میں ایک زرعی ملک کچھ نہیں کر پایا۔سولہ برس ضائع ہو گئے۔مگر کون اسکی ذمہ داری لیگا۔کم وزن بچوں کی صورتحال بھی تقریباً یہی ہے۔2000 میں یہ تعداد 14.2 فیصد تھی۔2008 میں یہ کم ہو کر 12.6 رہ گئی اور موجودہ برس یہ 10.5 فیصد ہے۔سولہ برس میں ہم صرف ساڑھے تین فیصد بچوں کو اتنا کھانا دے پائے ہیں کہ یہ شرح 14.2 سے کم ہو کر 10.5 ہو چکی ہے۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شاندار کامیابی ہے مگر سنجیدگی سے دیکھا جائے تو ہمارے ہمسایہ ممالک نے یہ شرح بے انتہا کم کر دی ہے۔ہندوستان کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔مگر ہمارے ہی ملک کے سابقہ حصے بنگلہ دیش نے اس انڈکس میں قابل ذکر ترقی کی ہے۔دنیا میں پاکستان 107 نمبر پر ہے اور بنگلہ دیش 90 پر ہے۔

آپ آگے چلیے۔پانچ برس کی عمر تک کے بچوں کا قد انہیں ملنے والی غذا کے تناسب سے ہوتے ہیں۔یعنی اگر کھانا کم ملے گا تو بچوں کا قد کم رہ جائیگا۔سن 2000 میں یہ تعداد 41 فیصد تھی۔2008 میں یہ کم ہو کر 40 فیصد رہ گئی۔2016 میں ان بد قسمت بچوں کی تعداد 45 فیصد ہو چکی ہے۔لمحہ فکریہ تو ہے ہی مگر یہ ایک شرم کا مقام ہے۔یعنی ہمارے بچوں کے قد تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔اگر پنتالیس فیصد بچے کم قد کے ہونگے تو ہماری پوری آبادی کے کروڑوں لوگ اپنے قدرتی قد سے محروم ہو جائینگے بلکہ ہو چکے ہیں۔خود اندازہ فرمائیے۔کیا یہ بچے بڑے ہو کر بین الاقوامی معیار کے کھلاڑی بن سکتے ہیں۔تمام کھیل جن میں انسانی قد کی اہمیت ہوتی ہے۔ہم عملی طور پر انکے نزدیک بھی نہیں جاتے۔باسکٹ بال،سوکر،تیراکی،فٹ بال اور دیگر کھیل ہمارے لئے اجنبی ہوتے جا رہے ہیں۔لازم ہے جب اس جسامت کے بچے نہیں ہونگے تو بین لاقوامی سطح پر ہم کیا اور کیونکر مقابلہ کر پائینگے۔

دیگر ممالک کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ہم افغانستان،نائیجر اور سیرالیون کے نزدیک ممالک میں ہیں۔افغانستان کے 34 نمبر ہیں اور نائجیریا 33.7 فیصد پر فائز ہے۔ہم 33.4 فیصد پر ہیں۔یعنی فرق بالکل معمولی سا ہے۔ایک فیصد سے بھی کم۔کیا یہ صورتحال مناسب ہے۔ٹھیک ہے۔درست ہے،اسکا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔دل اس بات پر دکھتا ہے کہ ہم کیوں اتنا پیچھے رہ چکے ہیں۔کیا وجہ ہے کہ ہم کسی قسم کی ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو پائے۔اس پوری صورتحال کا ایک عجیب سا پہلو اور بھی ہے۔پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ہمیں مسلسل بتایا جاتا ہے کہ ہم گندم میں خود کفیل ہو چکے ہیں۔ہم چاول برامد کرنے والے اہم ترین ممالک کی فہرست میں ہیں۔اگر یہ سب کچھ ایسا ہی ہے جیسے بتایا جاتا ہے تو ہماری بائیس فیصد آبادی دو وقت کی روٹی سے کیوں محروم ہے۔کیا انکے پاس مالی وسائل نہیں کہ کھانے پینے کی اجناس خرید سکیں۔کیا ریاستی سطح پر غذا کی بنیادی قلت جیسے نکتہ کو اتنا اہم نہیں سمجھا گیا کہ ان کروڑوں انسانوں کو باعزت کھانا مہیا کیا جاسکے۔کیا روزگار کی کمی ہے یا تعلیم کے کم ہونے کی وجہ سے روزگار بہت کم ہو چکا ہے۔کیا صنعت کے پہیہ کا آہستہ آہستہ چلنا بائیس فیصد آبادی کی بھوک کی اصل وجہ ہے۔یا سب کچھ مل جل کر ایک ایسا عذاب بن چکا ہے جسکی آگ میں کرورڑوں لوگ روز جل رہے ہیں۔نہ مرتے ہیں اور نہ زندوں میں ہیں۔عالم برزخ میں رہنے والے یہ کروڑوں بھوکے لوگ کس کی ذمہ داری ہیں اس پر سب خاموش ہیں۔خاموشی اتنی شدید ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔جس گھر میں بچے رات کو بھوکے سوتے ہیں ان پر کیا گزرتی ہوگی۔یہ صرف اور صرف وہ معصوم ہی جانتے ہیں۔سوچیے اگر کسی دن کروڑوں بھوکے لوگوں نے اپنے حصے کا کھانا چھین لیا تو پھر کیا ہوگا۔ہوسکتا ہے وہ وقت قریب ہو۔

راؤ منظر حیات